رجم کی شرعی حیثیت

محمد نواز الحسنی اسسٹنٹ پروفیسر
کلیۃ الشریعہ والقانون بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

جب اسلامی حکومت کی فتوحات کا سلسلہ ہر طرف وسیع سے وسیع تر ہو رہا تھا اور کفر و شرک کو میدانی اور فکری جنگ میں ہر جگہ شکست فاش کا سامنا تھا تو اس نے مکاری اور منافقت کی دو طرح کی چالیں چلی۔

ایک تو اپنے کافر لوگوں کو اسلام کا لبادہ پہنا کر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر دیا تا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات ونزاعات کے بیج بوئے جائیں اور انہیں ایک دوسرے سے لڑایا جائے۔

دوسرا بعض ضمیر فروش اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کو خریدا جائے اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کی جماعت بندی اور یکجہتی کا شیرازہ بکھیرا جائے تا کہ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے اور ہم ان کے تسلط اور غلبہ سے محفوظ ہو جائیں۔

مسیلمہ کذاب کی تحریک ان کی ابتدائی سازش تھی۔ اس کے بعد کبھی خلق قرآن کا مسئلہ اٹھایا گیا اور کبھی اللہ تعالیٰ کی۔ تجسیم وتشبیہ کا اور کبھی آنحضرت ﷺ کی بشریت اور ختم نبوت کا اور کبھی صحابہ کی فضیلت وخلافت کا۔

ان میں سے پہلے تین مسائل کا تعلق خالصۃً مسلمانوں کے ایمان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نازل کردہ کتاب اور اس کے مبعوث رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ان تینوں کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک میں تردد پیدا ہو جائے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان میں سے چوتھے مسئلہ کا تعلق جس چیز سے ہے اگر چہ وہ ایمانیات سے نہیں ہے لیکن وہ ایمانیات کا پہلا اور اکیلا Source ہیں اگر وہ ختم ہو جائے تو ایمانیات تک پہنچنا ناممکن

ہے۔

ان چار مسائل میں سے تین مسائل کو اٹھانے والے اب بھی زندہ میں اور بڑے زور سے اپنا کام انجام دے رہے ہیں اور مسلمانوں کی یکجہتی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

تاہم مسئلہ خلق قران کو اٹھانے والے معتزلہ تھے اور وہ مرور زمانہ کے ساتھ ناپید ہو گئے لیکن ان کی مدون کردہ کتب ہمارے ہاں بکثرت موجود ہیں اور ہمارے ہاں سے چند حضرات ان کتابوں اور ان کے نظریات سے متاثر ہو کر یا پھر بیرونی سازشوں کا شکار ہو کر ان متروک نظریات اور معتقدات کو پھر سے ابھارتے رہتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں میں اضطراب اور انتشار کی فضا پیدا کر دیتے ہیں۔ رجم کے شرعی سزا ہونے میں چند خوارج نے اپنے زمانہ میں اختلاف پیدا کیا اور وہ گزر گئے، لیکن آج پھر کچھ لوگ خوارج کے اس نظریہ کو ہوا دے رہے ہیں اور مغرب سے داد اور امداد لینے کے لئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ رجم ایک وحشیانہ سزا ہے اور اس جیسی سزا کا قرآن اور اسلام میں کوئی وجود نہیں۔

بندہ ناچیز نے اس مقالہ میں ان کی اس کوشش کو بے کار ثابت کیا ہے اور اس بحث کا عنوان رکھا ہے ''رجم کی شرعی حیثیت'' یعنی رجم کی سزا ایک شرعی سزا ہے اور اس کے خلاف دیے جانے والے دلائل فاسد اور باطل ہیں۔

رجم (سنگسار کرنا) کو قرآن اور اسلام کے خلاف کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی کوئی آیت رجم کی نفی نہیں کرتی۔ اور نہ ہی کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف پائی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس رجم کے اسلامی حکم ہونے پر قرآنی آیات سے روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ میں رجم کا حکم موجود ہے۔ البتہ صراحت کے ساتھ اس کا ذکر احادیث صحیحہ کثیرہ میں وارد ہے اور نفس رجم کے ثبوت میں وہ احادیث متواترۃ المعنی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کی سزا دی۔ پھر خلفائے راشدین نے اس پر عمل کیا۔ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے اور تابعین ائمہ مجتہدین اور جمہور امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رجم اسلامی سزا ہے۔ اور کتاب و سنت کے خلاف نہیں۔ چند خوارج کا اختلاف کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

حقیقت یہ ہے کہ رجم کو غیر اسلامی قرار دینا ایک مغالطہ ہے جس کی بنیادیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ رجم کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً موجود نہیں اور جس بات کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً نہ ہو وہ قرآن اور اسلام کے خلاف ہے۔

۲۔ حدیث اور سنت چونکہ رسول کا اپنا قول یا فعل ہے اس لئے وہ کوئی شرعی دلیل نہیں۔

۳۔ قرآن مجید میں زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مقرر کی گئی ہے جیسا کہ سورہ نور میں ہے۔ **الزانیة و الزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدہ** (۱) یعنی زانیہ اور زانی کی سزا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ لہٰذا رجم کا قول قرآن کی مقرر کی ہوئی سزا کے خلاف ہے۔

۴۔ قرآن کریم میں شادی شدہ باندیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف مقرر کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا: **فعلیھن نصف ماعلی المحصنات من العذاب** (۲) یعنی شادی شدہ باندیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف ہے اور ظاہر ہے کہ محصنات آزاد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ اگر ان کی سزا رجم ہو تو باندیوں کی سزا رجم کا نصف ہوگی حالانکہ رجم قابل تخفیف نہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں رجم کا وجود ہی نہیں۔

۵۔ قائلین رجم کے درمیان حدِ زنا میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ رجم کے ساتھ سو کوڑے بھی مارے جائیں گے۔ کسی کے نزدیک صرف رجم کیا جائے گا۔ کوڑوں کی سزا نہیں دی جائے گی۔

اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ رجم قطعی اور یقینی طور پر اسلامی سزا نہیں۔ منکرینِ رجم کے مغالطے کی یہ پانچوں بنیادیں علم و تحقیق کی روشنی میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

۱۔ منکرین رجم کے مغالطے کی پہلی بنیاد کہ ''رجم کا ذکر قرآن میں صراحۃً موجود نہیں اور جس بات کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً نہ ہو وہ قرآن اور اسلام کے خلاف ہے۔''

قرآن کی روشنی میں ان کا یہ کہنا درست نہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سیقول السفھاء من الناس ماولھم عن قبلتھم التی کا نوا علیھا (۳)

اب بے وقوف لوگ (مشرکین و منافقین) کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان

کے اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔

اس آیت میں صراحتہً مذکور ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا قبلہ تھا جس سے انہیں دوسرے قبلہ کی طرف پھیر دیا گیا اور یہ بات بھی قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے کہ پہلا قبلہ اللہ تعالیٰ ہی نے مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وما جعلنا القبلة اتی کنت علیها الالنعلم من یتع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه (۴)

یعنی اے رسولؐ! آپ اس سے پہلے جس قبلہ پر تھے اسے ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

یہاں صراحتہً مذکور ہے کہ وہ پہلا قبلہ اللہ تعالیٰ ہی نے مقرر فرمایا تھا لیکن سارے قرآن میں اس کے مقرر کرنے کا حکم کہیں بھی مذکور نہیں۔ نہ یہ مذکور ہے کہ اس قبلہ کا نام کیا ہے؟ حالانکہ تحویل قبلہ سے پہلے اس کا قبلہ ہونا اسلامی حکم تھا۔ اور اس کے قبلہ اولیٰ ہونے کا اعتقاد قیامت تک اسلامی عقیدہ رہے گا۔ جس کا ثبوت صرف سنت اور حدیث سے ملتا ہے قرآن پاک میں اس کی کوئی صراحت نہیں پائی جاتی۔

ثابت یہ ہوا کہ جس حکم کی صراحت قرآن مجید میں نہ ہو اسے مطلقاً غیر اسلامی کہنا قطعی باطل ہے۔ ان دونوں آیتوں سے منکرین رجم کے مغالطے کی یہ دوسری بنیاد بھی منہدم ہو گئی کہ رسول کا اپنا قول و فعل دلیل شرعی نہیں اور یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اسکی وحی قرآن پاک میں منحصر نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث بھی وحی الٰہی اور حکم خداوندی ہے اور قطعی الثبوت ہونے کی صورت میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن وحی جلی اور وحی متلو ہے اور حدیث وحی خفی اور وحی غیر متلو ہے۔ احکام شرع دونوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ کتاب و سنت دونوں حجت شرعیہ ہیں اور یہ دین کی اصل عظیم ہے۔ اس کا انکار پورے دین کے انکار کے مترادف ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب نمبر ۲ کے ضمن میں آئے گی۔

۲۔ منکرین رجم کے مغالطے کی دوسری بنیاد'' کہ حدیث و سنت چونکہ رسول کا اپنا قول یا فعل

ہے اس لئے وہ کوئی شرعی دلیل نہیں۔'' اگر چہ بیان سابق کی روشنی میں قرآنی دلیل سے پہلی بنیاد کے ساتھ منہدم ہو چکی ہے۔ تاہم اس ضمن میں کچھ مزید تفصیلات کا سامنے لانا ضروری ہے۔

اس بحث میں سب سے پہلے بعثت رسول کے مقصد اور رسالت کے منصب کی وضاحت قرآن مجید کی روشنی میں ضروری ہے تاکہ رسول کے قول و فعل کی حیثیت کتاب اللہ سے متعین ہو جائے۔

مقصد بعثت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ (۵)

یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

یہاں ''باذن اللہ'' کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے رسول کا کوئی قول اور فعل اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا۔ جو کچھ کہتا یا کرتا ہے اذن الٰہی سے کہتا اور کرتا ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت اللہ کے اذن ہی سے ہوگی۔ لہٰذا رسول ہونے کی حیثیت سے رسول کا ہر قول اور ہر فعل حجت شرعیہ قرار پائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور جا بجا فرمایا:

واطیعوا اللّٰہ و رسولہ (۶)

یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔

واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول (۷)

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔

نیز فرمایا:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ (۸)

اے رسول آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع
کرو۔ اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (۹)

(اے ایمان والو! پیروی میں) تمہارے لئے رسول کی ذات میں بہترین
نمونہ موجود ہے۔

ان تمام آیات میں رسول کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ رسول کے ہر قول اور فعل میں اس کی اتباع اور اطاعت کی جائے۔ اور چونکہ رسول کا کوئی قول یا فعل اذن الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی اطاعت عین اطاعت الٰہیہ ہے۔ اسی لئے فرمایا:

و من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (۱۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ان آیات قرآنیہ میں مقصد بعثت کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول کی ذات مرکز اطاعت ہے۔ اسی کا حکم مانا جائے گا۔ قانون کا سرچشمہ صرف رسول کی ذات ہے۔ اس کا ہر قول و فعل جو بحیثیت رسالت سرزد ہو حجت اور دلیل شرعی اور واجب الاتباع ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بطور فیصلہ فرما دیا:

وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا (۱۱)

اور جو کچھ رسول تمہیں دے دیں وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں
اس سے رک جاؤ۔

ان آیات سے مقصد بعثت کے ساتھ منصب رسالت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کی ہر بات اور ہر عمل خواہ اس کی صراحت قرآن میں موجود ہو یا نہ ہو بہر صورت قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔

منصبِ رسالت

اگرچہ مقصد بعثت کے ضمن میں منصب رسالت پر روشنی پڑ چکی ہے تاہم تائید مزید کے لئے حسب ذیل آیات قرآنیہ سے بھی ہم اس موضوع کی وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (۱۲)

اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اس لئے اتارا کہ آپ لوگوں کیلئے وہ سب کچھ بیان فرمادیں جو انہیں بتانے کیلئے ان کی طرف اتارا گیا۔

معلوم ہوا کہ قرآن کے مرادی معنی کا بیان منصب رسالت ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کے معنی اپنی طرف سے بیان کردے۔ مزید فرمایا:

ونزلنا علیک الکتاب تبیانالکل شئی (۱۳)

اور ہم نے آپ پر کتاب اتاردی کہ وہ (آپ کیلئے) ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

اس آیت میں منصب رسالت پر روشنی پڑتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا ہر چیز کے لئے روشن بیان ہونا منصب رسالت ہی کی شان ہے۔ اب یہ رسول کا کام ہے کہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل ہوا وہ ان کے لئے بیان فرمادیں۔ جیسا کہ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۴ میں بیان ہوا۔ نیز فرمایا:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ (۱۴)

بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب ان کے نفسوں میں سے ان میں رسول بھیجا وہ ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسالت کے تین منصب بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ نفس ۳۔ تعلیم کتاب و حکمت

ظاہر ہے کہ تلاوت آیات تو قرآن کی قراۃ ہی ہے مگر تزکیہ نفس اور تعلیم، رسول کے قول و فعل کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے رسول کے قول اور فعل کا حجت اور دلیل شرعی ہونا یقینی ہے۔ ورنہ منصب رسالت بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اس آیت کے ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ کتاب کے سوا کسی چیز کو منزل من اللہ نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ابھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ منصب رسالت

میں کتاب وحکمت دونوں کی تعلیم شامل ہے اور جس طرح کتاب منزل من اللہ ہے اسی طرح حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> واذکر وانعمة اللّٰه علیکم و ما انزل علیکم من الکتاب و الحکمة (۱۵)
>
> یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور وہ چیز جو اللہ نے تم پر نازل کی کتاب اور حکمت سے۔

نیز فرمایا:

> وانزل علیک الکتاب والحکمة و علمک مالم تکن تعلم (۱۶)
>
> اور اے رسول! اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ سکھادیا جو آپ نہ جانتے تھے۔

ان دونوں آیتوں میں کتاب کے ساتھ حکمت کے نازل ہونے کی صراحت بھی موجود ہے حکمت کے معنی ہیں چیزوں کو نامناسب جگہ سے روکنا اور مناسب جگہ پر حسن ترتیب کے ساتھ رکھنا۔ گویا قرآن کے معنی کو عملی جامہ پہنانے اور اس کی راہوں کو متعین کرنے کا نام حکمت ہے۔ جس کی تعلیم بھی منصب رسالت میں شامل ہے۔ قول وعمل رسول کے بغیر اس کا تحقق نہیں ہوسکتا اس لئے رسول کے اقوال وافعال کو حجت اور دلیل شرعی تسلیم کرنا واجب ہے۔

یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ منصب رسالت کا مقتضی یہی ہے کہ رسول کا ہر قول وفعل منصب رسالت کے ضمن میں حجت اور دلیل شرعی قرار پائے۔ اس کے بغیر کتاب وحکمت کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں اقیموا الصلوة و آتوا الزکوٰة (۱۷) کا حکم بے شمار جگہ موجود ہے کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ لیکن پورے قرآن میں کسی جگہ نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس کی ترتیب مذکور نہیں۔ نمازوں کی مقدار کا ذکر بھی قرآن میں نہیں۔ نہ کسی نماز کی رکعتوں کی تعداد قرآن میں مذکور ہے۔ نماز کی صفت، کیفیت، ترتیب اور مقدار اور دیگر مسائل کا ذکر قرآن میں مصرح نہیں۔ اسی طرح مقادیر زکوٰۃ کہ کس چیز کی کتنی زکوٰۃ دی جائے، مقدار ونصاب ودیگر شرائط واحکام زکوٰۃ قرآن

میں نہیں پائے جاتے۔ حج کے سب احکام اور روزے کے تمام مسائل کی تفصیل قرآن میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ یہ جملہ احکام اور مسائل احادیث صحیحہ میں وارد ہیں اور عہد رسالت سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے معمولات میں شامل ہیں۔ کسی نے انہیں خلاف قرآن کہنے کی جرأت نہیں کی۔ ان تمام احکام و مسائل کا بیان منصب رسالت میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے منصب کے مطابق انہیں بیان فرمایا اور امت مسلمہ نے انہیں قبول کر کے ان کے مطابق عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمین ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حقیقی حکم اسی کا ہے اور احکم الحاکمین حقیقی وہی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنا نائب بنایا۔ قانون، حکم اور ہر فیصلے کا بنیادی مرکز اور سرچشمہ اپنے رسول ہی کی ذات کو قرار دیا۔ اور قرآن مجید میں اعلان فرمادیا۔

> فلا و ربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مماقضیت ویسلموا تسلیما(۱۸)
>
> اے رسول! آپ کے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم مانیں پھر جو بھی آپ فیصلہ کر دیں اپنے دل میں اس سے تنگی محسوس نہ کریں اور بہ دل و جان اسے پوری طرح مان لیں۔

یہ آیت کریمہ علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کر رہی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے رسول ہی حاکم ہیں۔ انہیں اختیار ہے کہ وہ اللہ کے نائب ہونے کی حیثیت سے جو چاہیں فیصلہ فرما دیں۔ (مماقضیت) میں ''ما'' عام ہے۔ ان کے ہر فیصلے کو (خواہ وہ قرآن میں مذکور ہو یا نہ ہو) بلا چون و چرا تسلیم کرنا مدار ایمان ہے۔ اس کے بعد بھی رسول کے قول و فعل کو حجت شرعیہ نہ سمجھنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

۳۔ منکرین رجم کے مغالطے کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ ''قرآن مجید میں زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مقرر کی گئی ہے۔ رجم کا قول قرآن کی مقرر کی ہوئی حد کے خلاف ہے۔''

اس کا ازالہ یہ ہے کہ ہر زانی کی سزا کسی کے نزدیک بھی رجم نہیں ہے۔ یہ سزا صرف اُس کے لئے ہے جو آزاد اور شادی شدہ ہو۔ قرآن میں زانی کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے مگر وہاں آزاد شادی شدہ کی قید نہیں۔ اگر آیت قرانیہ میں یہ قید پائی جاتی تو رجم کی سزا کو قرآن کے خلاف کہنا صحیح ہوتا۔

ابتدائے اسلام میں سورہ نساء کے نازل ہونے تک زنا کی کوئی حد مقرر نہیں ہوئی تھی صرف یہ حکم نازل ہوا تھا کہ کسی عورت سے بدکاری سرزد ہو جائے تو اس پر چار مسلمان مرد گواہ بنا لیئے جائیں اور تاحیات اس عورت کو گھر میں بند رکھا جائے اور اگر دو مرد بے حیائی کا کام کریں تو انہیں تکلیف پہنچائی جائے۔ چنانچہ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا:

> والتی یا تین الفاحشة من نساء کم فاستشهد واعلیهن اربعة منکم فان شهدوافامسکواهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت اویجعل الله لهن سبیلاo والذ ان یاء تینها منکم فآذ واهما فان تاباواصلحا فاعرضوا عنهما ان الله کان توابا رحیما (۱۹)

> اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں اس پر چار مسلمان مرد گواہ بنالو۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ مقرر کر دے۔ اور تم میں سے دو مرد جو بدکاری کریں تو انہیں تکلیف پہنچاؤ اس کے بعد اگر وہ توبہ کرلیں اور ٹھیک ہو جائیں تو ان کی طرف توجہ نہ کرو بے شک اللہ توبہ کو قبول کرنے والا رحمت فرمانے والا ہے۔

اس آیت میں بدکار عورتوں کا یہ حکم بیان کیا گیا کہ انہیں گھروں میں بند رکھا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائیں یا ان کے مرنے سے پہلے اللہ ان کے لئے کوئی راہ پیدا کر دے۔ یعنی حد کا کوئی حکم نازل فرما دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ان کے لئے ایک سبیل پیدا کر دی جس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح فرمائی۔ لهن سبیلا یعنی الرجم للثیب والجلا للبکر (۲۰) (بخاری شریف جلد ثانی ص

۶۵۷) یعنی ان بدکار عورتوں کے لئے جو راستہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی، یہ ہے کہ شادی شدہ کے لئے رجم ہے اور کنواری کے لئے کوڑے ہیں۔ غیر شادی شدہ آزاد بدکار عورت کا حکم، آیت کریمہ، الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة میں مذکور ہے۔ یعنی (آزاد غیر شادی شدہ) زانیہ اور (آزاد غیر شادی شدہ) زانی کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور شادی شدہ آزاد زانی و زانیہ کے لئے قرآن مجید میں رجم کی آیت نازل ہوئی تھی مگر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا۔

بخاری شریف میں ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا:

"لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لئے مقدر کر دیا گیا ہے۔ میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو، جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے یاد رکھے اسے چاہئے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ بات یہ ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے یاد رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہدے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے۔ اللہ کی کتاب میں رجم حق ہے ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں۔ یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے۔ یا اقرار ہو۔ (۲۱)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن مجید کی آیت الزانیة والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر، آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لئے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کے لئے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک میں صراحتہً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا احادیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم بار ہا بتا چکے ہیں کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواترۃ المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں جس طرح قرآن کی آیات وحی الٰہی ہیں اسی طرح سنت اور

حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور اسی بنا پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں۔ جو چیز قرآن سے ثابت ہو اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے۔ اسے خلاف قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں۔ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ قبلۂ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح پانچ نمازیں، ان کی تعداد رکعات اور ادا کرنے کی ترتیب، مثلاً نماز میں رکوع، سجود، قیام اور قعود اور ان سب ارکان کی ترتیب سب سنتِ نبوی سے ثابت ہے۔ اگر سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے صرف **اقیمو الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ** کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامتہ صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی ایتاءِ زکوٰۃ کے فرض سے سبکدوش ہونا ممکن ہے۔ اس لئے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تا کہ قرآن کے معنی سمجھ میں آ جائیں اور مراد الٰہی کے مطابق احکام قرآنیہ پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اور اس کا منسوخ التلاوۃ ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے اس کے باوجود ہم نزول الفاظ اور نسخ تلاوۃ کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وکیف یحکمو نک و عندھم التوراۃ فیھا حکم اللّٰہ (۲۲)

اور اے رسول! وہ (یہودی) کس طرح آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''حکم اللہ'' کے معنی متواتر صرف رجم ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک یہی معنی متواتر منقول ہوتے چلے آئے۔ جس طرح قرآن کے الفاظ منقولہ متواترہ ''قرآن ہیں'' بالکل اسی طرح الفاظ قرآن کے معنی منقولہ متواترہ بھی قرآن ہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ **القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعا** (۲۳) یعنی قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے۔

بے شک لفظِ ''رجم'' اس آیت میں صراحتہً مذکور نہیں لیکن ''حکم اللہ'' کے معنی متواتر چونکہ ''رجم'' ہی ہیں اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رجم کے معنی اللہ کی کتاب میں حق

ہیں۔ کتاب اللہ میں اگر کسی نے رجم کی نفی کی ہے تو اس سے مراد صرف لفظ ''رجم'' ہے۔ اس کے معنی کی نفی مراد نہیں۔ اور معنی جب تواتر سے ثابت ہیں تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ قرآن میں رجم حق ہے۔ یعنی اس کا حکم موجود ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ الزانیة و الزانی میں سو کوڑوں کی سزا آزاد کنواروں، غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے ہی مخصوص ہے اور شادی شدہ آزاد مرد و عورت کی سزا رجم ہے۔ اور ان دونوں سزاؤں میں قطعاً کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ دونوں کا محل جداگانہ ہے۔ سورہ نور کی آیت میں جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں غیر شادی شدہ مجرم مراد ہیں اور ''حکم اللہ'' یعنی رجم شادی شدہ آزاد مجرموں کے لئے ہے۔

اب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ رجم کی سزا قرآنی سزا ہے اور اسے غیر اسلامی قرار دینا باطل محض اور قرآن کے خلاف ہے۔ یہاں یہ شبہ کہ یہ لفظ ''حکم اللہ'' بمعنی رجم تورات میں پایا جاتا ہے۔ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تورات کے جس حکم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم اللہ فرما دیا اور اسے برقرار رکھا تو وہ اب بعینہ قرآن کا حکم ہے۔ اور اس کے قرآنی حکم ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

رجم کی سزا کو 'مائتہ جلدۃ کے خلاف سمجھنے والے اسی غلط فہمی کا شکار ہیں کہ سو کوڑوں کی سزا ہر قسم کے زنا کے لئے ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

لفظ ''زنا'' کے معنی لغت عرب میں ضیق ہیں۔ اور ضیق تنگی کو کہتے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ تنگی جسمانی ہو یا غیر جسمانی مثلاً ذہنی یا قلبی اور شرع و عرف عام میں عاقل و بالغ کا غیر مملوکہ یا غیر منکوحہ سے وطی کرنا زنا کہلاتا ہے۔ جس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً بحالت اکراہ یا بحالت لاعلمی یا بصورت اشتباہ اسی طرح غلام یا باندی کی بدکاری اور اس کے علاوہ آزاد شادی شدہ مرد یا عورت کا یہ جرم، غیر شادی شدہ آزاد مرد یا عورت کی حرام کاری، سب پر زنا کے معنی صادق ہیں لیکن (مائتہ جلدۃ) کا حکم ہر ایک صورت پر عائد نہیں ہوتا اور اس عائد نہ ہونے کو آج تک کسی نے بھی خلافِ قرآن قرار نہیں دیا۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ شادی شدہ آزاد زانی اور زانیہ پر بھی اگر ''مائتہ جلدۃ'' کا حکم عائد نہ ہو اور دلیل شرعی کی روشنی میں اس کی حد رجم قرار پائے تو اس رجم کو کیوں خلاف قرآن کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی مانے یا نہ مانے ہم دلیل

شرعی کی روشنی میں کہیں گے کہ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل اور شرم گاہ سب سے زنا کا فعل سرزد ہو سکتا ہے۔ لیکن حد شرعی صرف شرم گاہ کے زنا کے ساتھ مخصوص ہے۔

ہمارے دلائل کی روشنی میں منکرین رجم کی یہ تیسری بنیاد بھی منہدم ہو گئی کہ الزانیۃ کے عموم میں ہر قسم کا زنا شامل ہے اور ہر زنا کی سزا صرف سو کوڑے ہیں۔

۴۔ منکرین رجم کے مغالطے کی چوتھی بنیاد یہ ہے کہ قرآن مجید میں شادی شدہ باندیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف مقرر کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا:

فعلیهن نصف ماعلی المحصنات من العذاب (۲۴)

یعنی شادی شدہ باندیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محصنات آزاد شادی شدہ عورتیں ہیں اگر ان کی سزا رجم ہو تو باندیوں کی سزا رجم کا نصف ہوگی۔ حالانکہ رجم قابل تصنیف نہیں معلوم ہوا کہ حدِ رجم نا قابل عمل اور اسلام کے خلاف ہے۔

اس کا ازالہ یہ ہے کہ سورہ نساء کی اس آیت میں ''المحصنات'' سے شادی شدہ نہیں بلکہ آزاد کنواری عورتیں مراد ہیں جن کی سزا سورہ نور میں سو کوڑے بیان کی گئی ہے۔ شادی شدہ باندیوں کی سزا اس کا نصف یعنی پچاس کوڑے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ شادی شدہ باندیوں کی سزا اور غیر شادی شدہ باندیوں کی سزا رجم نہیں صرف پچاس کوڑے ہے۔ رجم کی سزا آزاد شادی شدہ مرد و عورت کے لئے مخصوص ہے۔ معلوم ہوا کہ سورہ نساء کی اس آیت سے رجم کے نا قابل عمل اور غیر اسلامی ہونے پر استدلال غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ ''محصنات'' کا مصدر احصان ہے جس کا مادہ ''حصن'' ہے۔ ''حصن'' قلعہ کو کہتے ہیں۔ جو حفاظت کیلئے ہوتا ہے۔ احصان چار چیزوں سے ہو سکتا ہے۔ (۱) اسلام (۲) حریۃ (۳) نکاح (شادی شدہ ہونا) (۴) عفت۔ کفر کی وجہ سے کافر کو جو تکالیف پیش آ سکتی ہیں اسلام ان سب تکالیف سے حفاظت کرتا ہے۔ غلامی کی تکالیف سے حریت ''حصن'' کا کام دیتی ہے۔ نکاح ایک حصار ہے جو عزت و ناموس کو محفوظ رکھتا ہے۔ عفت و بکارت بھی گویا شرم و حیا کا ایک قلعہ ہے جو بداخلاقی سے روکتا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ محصنات چاروں قسم کے ''احصان'' کے معنی میں وارد ہے۔ یعنی ''محصنٰت'' سے مراد مسلمان عورتیں، آزاد کنواری عورتیں، شادی شدہ عورتیں اور عفیفہ عورتیں ہیں۔

چنانچہ محرمات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **والمحصنٰت من النساء** (۲۵) یعنی جن عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام ہے ان میں مسلمان شادی شدہ عورتیں بھی شامل ہیں جو کسی کے حصن نکاح میں ہوں۔ یہاں لفظ ''المحصنٰت'' مسلمان شادی شدہ عورتوں کے لئے وارد ہوا ہے۔ اس کے بعد غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کے معنی میں بھی ''المحصنٰت'' کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنٰت المومنات فمن ماملکت ایمانکم** (۲۶) یعنی تم میں سے جو شخص آزاد غیر شادی شدہ ایمان والی عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مسلمان باندی سے نکاح کرے۔ اس مقام پر ''المحصنٰت'' کا لفظ آزاد کنواری عورتوں کے معنی میں وارد ہوا ہے۔ اس کے علاوہ صرف عفیفہ پاکدامن کے معنی میں بھی لفظ ''محصنٰت'' قرآن پاک میں موجود ہے۔ ارشاد ہوا: **محصنٰت غیر مسافحات ولا متخذات اخدان** (۲۷) یعنی وہ باندیاں عفیفہ پاک دامن ہوں۔ نہ ظاہر بدکارہ ہوں نہ پوشیدہ۔ یہاں لفظ ''محصنٰت'' سے صرف پاک دامن باندیاں مراد ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کریمہ، **ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنٰت** میں المحصنات کے معنی آزاد کنواری عورتیں ہیں کیونکہ اس آیت میں آزاد کنواری مسلمان عورتوں ہی سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھنے والوں کو مسلمان باندیوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا گیا کہ اگر وہ باندیاں نکاح میں آجانے کے بعد بدکاری کریں تو **فعلیھن نصف ماعلی المحصنٰت من العذاب**۔ تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد کنواری عورتوں کے لئے ہے۔

نظم قرآن کی ترتیب سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہاں ''المحصنٰت'' سے مراد آزاد کنواری عورتیں ہیں جن کا ذکر اسی آیت میں نکاح کی طاقت نہ رکھنے والوں کے ساتھ لفظ ''المحصنٰت'' میں آچکا ہے۔ اُن ہی کی سزا یعنی سو کوڑوں کا نصف پچاس کوڑے باندیوں کی سزا بیان فرمائی گئی ہے۔

اس آیت سے آزاد شادی شدہ عورتوں یا مردوں کے حق میں حد رجم کی نفی ثابت نہیں ہوتی بلکہ شادی شدہ باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ثابت ہوتی ہے جس کا انکار آج تک

جو مال و سامان مجھے مثلاً سو روپیہ پر پڑا ہے' میں اس پہ صرف دس روپیہ نفع کروں گا یا اس کی مثل کوئی اور مقدار معین کردے۔ بس ایسا بائع شخص اس معین مقدار سے زیادہ نفع نہیں کر سکتا ورنہ شرعاً خائن کہلائے گا اور اس راز کے کھلنے کے بعد خریدار کو مال واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔

۲ تَوْلِیَه: یہ اس بیع کو کہتے ہیں کہ جس میں بائع نے جس رقم پر سامان خریدا یا جس رقم پر سامان اسے پڑا' بعینہ اسی ہی رقم پر بیچنے کا اعلان یا اقرار کرے۔ بس اس صورت میں بھی اسے اس رقم سے زائد رقم پر بیچنا گناہ ہے۔ خیانت کا راز کھلنے کے بعد خریدار کو اس زائد رقم کے واپس لینے کا حق ہوگا' لیکن بیع کے فسخ کرنے کا حق نہیں' بجز بائع کی رضا کے۔

۳ وَضِیْعَة: یہ اس بیع کو کہتے ہیں کہ جس میں بائع سامان کو خریدی ہوئی رقم سے بھی کچھ کم رقم پر بیچے۔

۴ مُسَاوَمَة: یہ اس بیع کو کہتے ہیں کہ جس میں بائع اپنی خریدی ہوئی رقم کے بارے میں کچھ نہ بتائے' بلکہ جیسا چاہے یا جیسا گاہک آئے ویسا بیچے۔

جاننا چاہئے کہ مندرجہ بالا چاروں قسموں کی بیعیں شرعاً بالاتفاق جائز ہیں۔

(در مختار و شامی' ص ۳' ج ۴' البحر الرائق' ص ۱۰۷' ج ۶)

فائدہ نمبر ۲:

ہر شخص کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنے سامان کو جتنے میں چاہے بیچے' فتح القدیر میں ہے:

لو باع کاغذة بالف یجوز والا یکره (منقول از فتاویٰ رضویہ' ص ۳۰' ج ۷' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی) بشرطیکہ بائع' مشتری کو دھوکہ نہ دے اور جھوٹ وغیرہ نہ بولے ورنہ اکثر صورتوں میں مشتری کو رجوع کا حق ہوگا۔ قرآن مجید مین ہے:

لَاَ تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلاَّ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ۔ (النساء آیت نمبر ۲۹)

بس طرفین کی یہ رضا جس بھی رقم پر ہو بیع درست ہو جائے گی۔

مسئلہ: اپنے مال کا اختیار ہے جس قدر نفع چاہیں اس میں حاصل کریں۔ اگر ایک پیسہ کی چیز' سو

روپیہ کی فروخت کریں' اجازت ہے 'بشرطیکہ خریدار سے کوئی دھوکہ بازی نہ کریں۔ صاف کہہ دیں کہ میں اتنے کو فروخت کروں گا' خواہ لو یا نہ لو' البتہ اگر نفع پر فروخت کرنے کا معاہدہ ہوا ہے' یا ایک شخص نے بذریعہ اشتہار زبانی یا تحریری اعلان کر رکھا ہے کہ میری دکان میں ایک ائی نفع پر مال ملا کرے گا' تو ان دونوں صورتوں میں زیادہ نفع لینا دھوکہ اور حرام ہو گا۔ اھ صفائی معاملات ص ۸

فائدہ نمبر ۳ :

قرض اور دَین میں فرق ہے۔ قرض' اس خاص عقد کو کہتے ہیں کہ جس میں قرض دینے والا' نقد رقم یا کوئی ایسی چیز جو کہ دنیا میں بعینہ اس جیسی چیزیں بہت ہوں اس ارادے سے قرض خواہ کو دے دے کہ وہ اس کو لے کر (ابھی اپنا کام نکالے پھر اسی وقت یا کچھ مدت کے بعد) اسی کی مثل چیز قرض دینے والے کو واپس کر دے۔ بس یہ قرض صرف مثلی چیزوں میں ثابت ہو سکتا ہے' باقی غیر مثلی چیزوں مثلاً گائے' بکری وغیرہ نیز لکڑیوں اور زمین وغیرہ میں یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ یعنی ان چیزوں کو بطور قرض نہیں دیا جا سکتا۔ باقی رہا دَین' سو وہ مثلی اور غیر مثلی یعنی سب چیزوں کے بدلے میں ثابت ہو سکتا ہے۔ پس دَین' قرض سے عام ہوا۔ ہر قرض دین کہا جا سکتا ہے' لیکن ہر دین' قرض نہیں کہا جا سکتا یعنی **بینهما نسبة عموم و خصوص مطلق**

(ماخوذ از در مختار' ص ۲۳۷' ج ۴ اور شامی ص ۲۳۴' ج ۴' وغیرہ)

فرق نمبر ۲ :

اگر کوئی شخص کسی شخص کو کوئی چیز بطور قرض دیدے اور کہے کہ میں تجھ سے یہ ایک ماہ یا ایک سال وغیرہ کے بعد لوں گا تو اس کہنے سے اس پر واقعی اتنی مدت انتظار کرنا لازم نہیں ہوتا یعنی اسے شرعاً جائز ہے کہ وہ اسی ہی وقت یا ایک دو دن کے بعد اپنا قرضہ مانگ لے۔ یعنی عقد قرض میں تاجیل (مہلت دینا) قرض دینے والے پر لازم نہیں ہوتی (بجز چند خاص صورتوں کے جن کا بیان کتب فتاویٰ میں ہے) اور عقد دَین اس طرح نہیں' یعنی اگر کوئی شخص کسی خریدار کو دین کی' کچھ مدت کے لئے مہلت دیدے تو وہ مہلت دینا لازم ہو جائے گی۔ یعنی بعدہ' بائع اس مقرر مدت سے پہلے اپنا دین نہیں طلب کر سکتا۔ (در مختار و شامی ص ۲۳۷' ج ۴)

مراجع ومصادر

۱۔ سورہ نور۔۲

۲۔ سورہ النساء۔۲۵

۳۔ سورہ البقرہ۔۱۴۲

۴۔ سورہ البقرہ۔۱۴۳

۵۔ سورہ النساء۔۶۴

۶۔ سورہ الانفال/۲/ ۴۶

۷۔ سورہ المائدہ۔۹۳

۸۔ سورہ آل عمرانؑ۔۳۱

۹۔ سورہ الاحزاب۔۲۱

۱۰۔ سورہ النساء۔۸۰

۱۱۔ سورہ الحشر۔۷

۱۲۔ سورہ النمل۔۴۴

۱۳۔ سورہ النحل۔۸۹

۱۴۔ سورہ آل عمران۔۱۶۴

۱۵۔ سورہ البقرہ۔۲۳۱

۱۶۔ سورہ النساء۔۱۱۳

۱۷۔ سورہ البقرہ۱۴۳و۱۱۰

۱۸۔ سورہ النساء۔۶۵

۱۹۔ سورہ النساء۔۱۵۔۱۶

۲۰۔ الجامع الصحیح للبخاری مع حاشیۃ السندی/ کتاب التفسیر/ باب سورہ النساء/۲/ ۱۱۷

۲۱۔ رواہ البخاری و مسلم: انظر صحیح البخاری مع حاشیۃ السندی/ کتاب المحاربین من اہل الکفرۃ والردۃ/ باب رجم الحبلیٰ من الزنا اذا احصنت/۴/ ۱۷۹۔۱۸۰
وصحیح مسلم مع شرح النووی/ کتاب الحدود/ باب حد الزنا/ ۱۱/ ۱۹۱۔۱۹۲

۲۲۔ سورہ المائدہ۔۴۳

۲۳۔ اصول البزدوی مع کشف الاسرار للبخاری/ ۱/ ۲۳

۲۴۔ سورہ النساء۔۲۵

۲۵۔ سورہ النساء۔۲۴

۲۶۔ سورہ النساء۔۲۵

۲۷۔ سورہ النساء۔۲۵

۲۸۔ ابن حزم الظاہری/ المحلی / قاہرہ: مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ المعربہ/۱۳/ ۱۹۶

۲۹۔ نفس المرجع/ ۱۳/ ۱۹۷

۳۰۔ نفس المرجع/ ۱۳/ ۱۹۸